سکوت امیرالمومنین کے اسباب

<"xml encoding="UTF-8?>

مقدمہ

”یاابن الام ان القوم استضعفوانی و کادوا ان یقتلوننی“(۱)
سقیفہ کے گھٹا ٹوپ اندھیرے اور ظلمت کدے سے ابھرتی ہوئی کسی مظلوم اور بے بس کی یہ وہ دلخراش آواز ہے جو آج بھی کانوں سے بار بار ٹکراتی ہے اور یہ کہتی ہے کہ میں اس شخص کی آواز ہوں جو تاریخ کا وہ مظلوم انسان ہے جو اپنے بازوؤں میں طاقت و توانائی رکھنے کے باوجود بے بس و ناتواں تھا
جی ہاں! یہ اسی ہارون وقت، علی مرتضی (ع)کی آواز ہے جس کو جب بیعت کیلۓ کشاں کشاں برہنہ تلواروں کے سائۓ میں لے جایا جانے لگا تو اس نے موسئ وقت، مرسل اعظم کی قبر اطہر سے لپٹ کر فریاد کی کہ”اے میرے مانجائۓ میں کیا کرتا قوم نے مجھے حقیر سمجھا اور (میرا کہنا نہ مانا بلکہ) قریب تھا کہ مجھے مار ڈالیں“۔
(۲)وہ علی کہ جس کی بہادری اور شجاعت کا یہ عالم تھا کہ صرف اس کے نام سے بڑے باڑے ساونتوں کی پنڈلیاں کانپ جایا کرتی تھیں، جس نے نبوت کا بازو بن کر کفار قریش کی دھمکیوں سے بے خوف و خطر رہ کر اسلام کو آفاقی بنایا ہو، یہود و نصاریٰ کا قلع قمع کیا، جس نے اسلام کے دامن کو فتوحات سے مالامال کیا ہو، جسے ”حرب و ضرب سے دھمکایا اور ڈرایا نہ جاسکا ہو“(۳) جسے موت کا خوف ہی نہ ہو اور موت کا قصیدہ پڑھتے ہوۓ کہے کہ ”خدا کی قسم! ابوطالب کا بیٹا موت سے اتنا مانوس ہے کہ بچہ اپنی ماں کی چھاتی سے ہوتا ہے“(٤)جسے اعدا اور دشمنوں کی کثرت مرعوب نہ کرسکے اور کہے کہ ”خدا کی قسم! اگر تمام عرب ایکا کرکے مجھ سے بھڑنا چاہیں تو میدان چھوڑ کر پیٹھ نہ دکھائوں گا اور موقع پاتے ہی ان کی گردنیں دبوچ لینے کےلۓ آگے بڑھوں گا۔“(٥)
اس علی کوکیاہوگیاتھا کہ پیغمبر صلح وامن کے بعدیکلخت خاموش ہوگیا، عزلت و گوشہ نشینی کو اپنا طرز زندگی بنالیا، اجتماعات میں شرکت کرنا چھوڑ دیا۔ اس کے گلے میں رسی کا پھندا ڈالا جاتا ہے تو خاموش رہتا ہے۔ ناموس کی بے حرمتی کی جاتی ہے،گھر آگ اور لکڑیوں کی نذر کردیاجاتا ہے مگر پھر بھی زباں پہ مہر سکوت!اپنی عزیزترین شریکۂ حیات کی شہادت کے بعد جب وہ علی معاشرے کی ایذارسانیوں سے تنگ آجاتا ہے تو کنویں میں سر ڈال کر اپنا درد دل بیان کرتا ہے۔
جو حق کے متعلق اس طرح بیان کرے کہ ”مجھے اپنی زندگی کی قسم! میں حق کے خلاف چلنے والوں اور گمراہی میں بھٹکنے والوں سے جنگ میں کسی قسم کی رورعایت اور سستی نہیں کروں گا“۔(٦) اس علی نے کیسے اپنے حق سے چشم پوشی کرلی؟!!
کیا وجہ تھی کہ علی جیسا بہادر اور سورما کہ جس کی بہادری سپہر شجاعت پر کمندیں ڈالتی ہو، جسکی قہر آگیں ذوالفقار چلتی ہو تو موت ہی موت رقصاں نظر آتی ہو؛ وہ علی کیسے خاموشی کو اپنا شیوہ بناۓ نظارئہ خلق کرتا رہا؟!!
اس مسئلے کو لیکر ہم اسی بارگاہ ذی شرف میں چلتے ہیں کہ جس نے لوگوں کی مشکلات کا حل اتنی امانتداری کے ساتھ بتایا کہ اغیار بھی کہہ اٹھے

”لولا علی لہلک عمر“(۷)
اس مسئلے کو ہم اسی کی زبان صداقت سے نکلے ہوۓ جواہرپاروں سے حل کرنے کی کوشش کریں گے کہ جو”نہج البلاغہ“ کی صورت میں ہمارے درمیان ایک عظیم سرمایہ اور کتاب خدا کے بعد سب سے گرانبہا کتاب ہے۔

پہلے اتمام حجت...

یہ ایک عقلی قانون اور کلیہ ہے۔ جب بھی کسی ذی شعور کے خلاف کوئی عمل انجام پاتا ہے تو سب سے پہلے اس کا عکس العمل یہ ہوتا ہے کہ وہ مد مقابل کے لۓ توجیہ اور فرار کے سارے راستوں کو بند کردیتا ہے کہ جسے ہم ”اتمام حجت“ کہتے ہیں۔ اس کے بعد پھر وہ اپنی کارروائی شروع کرتا ہے۔
بالکل یہی طرز احتجاج امیرالمومنین کا تھا۔ لہٰذا امام نے مصلحت اس میں جانی کہ صرف خاموش رہنا غاصبان خلافت کے ناروا اور نازیبا افعال کو صداقت بخشنے کے مترادف ہوگا اس لۓ ایسے موقع پر مطلقاً خاموش رہ جانا ناقابل تلافی سکوت ہوگا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میری خاموشی ان کی حقانیت کا شاخسانہ بن جاۓ۔ لہٰذا مہر سکوت توڑا اور مختلف مواقع پہ واشگاف لفظوں میں اپنی اختلاف راۓ اور اپنے اعتراضات و احتجاجات کو بیان کیا۔ (۸) لہٰذا کبھی صحیح حقدار خلافت کو پہچنواتے ہیں اور فرماتے ہیں :”حق ولایت کی خصوصیات انہی کے لۓ ہیں اور انہی کے بارے میں پیغمبر کی وصیت اور انہی کے لۓ(نبی کی) وراثت ہے۔ “(۹)
تو کبھی واضح طور پر اپنے حق کے غاصب کا تذکرہ کرتے ہیں کہ ”خدا کی قسم! فرزند ابوقحافہ نے پیراہن خلافت پہن لیا ہے حالانکہ وہ میرے بارے میں اچھی طرح جانتا تھا کہ میرا خلافت میں وہی مقام ہے جو چکی کے اندر اس کی کیلی کا ہوتا ہے۔“ (10)
دنیا کا عظیم ترین مفکر اس فکر میں غرق تھا کہ میں اگر یونہی خاموش رہ گیا تو دنیا اسے حقیقت بنا دے گی۔ اس لۓ مطلق سکوت اختیار کرنا جرم ہوگا لہٰذا مولا نے موقع ملتے ہی اپنا عندیہ بیان کردیا۔ پورا پورا خطبۂ شقشقیہ اسی دکھ کی تو درد بھری فریاد ہے چنانچہ شوریٰ کے سلسلے میں برملا فرماتے ہیں :”تم جلد ہی دیکھ لو گے کہ اس دن کے بعد سے خلافت کے لۓ تلواریں سونت لی جائں گی...یہاں تک کہ کچھ لوگ گمراہ لوگوں کے پیشوا بن کے کھڑے ہوں گے اور کچھ جاہلوں کے پیروکار ہوجائں گے۔“ (۱۱)
کبھی تند لہجے کا سہارا لے کر بیان فرماتے ہیں کہ ”بے شک ان دونوں نے سختی کے ساتھ خلافت کے تھنوں کو آپس میں بانٹ لیا ہے“ (12) ------ بات یہیں ختم نہیں ہوتی، غیض و غضب اس اوج پہ پہنچ جاتا ہے کہ امامت کی تیوریوں پر بل پڑ جاتا ہے اور فرماتے ہیں کہ ” بنی امیہ مجھے محمد کا ورثہ تھوڑا تھوڑا کرکے دیتے ہیں۔ خدا کی قسم! اگر میں زندہ رہا تو انہیں اس طرح جھاڑ پھینکوں گا جس طرح قصابی خاک آلود گوشت کے ٹکڑے سے مٹی جھاڑ دیتا ہے۔“ (13)
ہر طریقے سے ہدایت کا گھیرا تنگ کرنے اور اتمام حجت کے بعد بھی دھمکیاں، احتجاجات، اعتراضات اور تہدیدات بارآور نہ ہوسکیں تب مولا نے دیکھا کہ یہ قوم ”صم بکم عمی فہم لا یعقلون“ (14)کی مجسم مصداق ہے۔ اسے صراط مستقیم پہ نہیں لایا جاسکتا۔ تب مولا نے سکوت، عزلت اور گوشہ نشینی کو اپنایا ہے۔

.... پھرسکوت

جب مولاۓ کائنات اپنے تئیں اتمام حجت کرچکے تب کنارہ کشی اختیار کی لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ

مولا نے ہر چیز سے ہاتھ کھینچ لیا تھا بلکہ صرف اس خلافت اور جانشینی سے چشم پوشی کی تھی جو ان کا مسلم حق تھا۔(15) ورنہ اگر اسلام کو ضرورت پڑی ہے تو مولا نے کسی بھی کمک اور اعانت سے دریغ نہیں کیا ۔ چنانچہ اس سلسلے میں آپ کے وہ سیاسی اور حکومتی مشورے ملاحظہ کۓ جاسکتے ہیں جو آپ نے اپنے مخالفین کو دئے تھے لیکن وہ کیا علل و اسباب تھے جنکی وجہ سے مولاۓ کائنات نے 25/سال سکوت (بہ معنای عدم قیام) اختیار کر رکھا تھا۔ ملاحظہ فرمائں:

سکوت کے اسباب

۱- وصیت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم

مختلف علل و اسباب کے ساتھ ساتھ ایک اہم علت کہ جس نے امیرالمومنین کو قیام سے باز رکھا وہ ”وصیت پیغمبر “ ہے جس کے متعلق خود صراحت سے فرماتے ہیں :”مجھے قیام سے نہ بزدلی نے روکا ہے اور نہ موت کی ناپسندیدگی نے بلکہ اگر کسی چیز نے روکے رکھا تو وہ میرے بھائی (نبی خدا) سے کیا ہوا عہد و پیمان تھا کہ جس میں انہوں نے فرمایا تھا کہ اگر ساتھی ملیں تو قیام کرنا ورنہ ہاتھ روکے رکھنا“۔(16) ایک اور جگہ پیغمبر اکرم ، مولاۓ کائنات کو خطاب کرکے فرماتے ہیں :”اے علی !(اپنے بعد) میں تمہیں صبر کی تلقین کرتا ہوں“۔ (17)

انہی وصیتوں کی طرف اشارہ کرکے مولاۓ کائنات فرماتے ہیں :”میں نے اپنے حالات پر نظر کی تو دیکھا میرے لۓ ہرقسم کی بیعت سے اطاعت رسول مقدم تھی اور ان سے کۓ ہوۓ عہد و پیمان جو میری گردن میں تھے“۔ (18) یہی وصیتیں تھیں کہ جن میں مرسل اعظم(ص) نے فرمایا تھا کہ تمہارا سکوت اور تمہارا قیام دونوں اسلام کے لۓ ہونا چاہۓ۔ اگر حالات سازگار ہوں تو تلوار اٹھانا ورنہ اس اسلام کے حق میں خاموشی اختیار کرلینا، یہی بہتر ہے۔ (19)

۲- یاوروں اور حامیوں کی قلت

اگر ہم تاریخ کے صفحات الٹ پلٹ کر دیکھیں تو یہ بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اکثر انبیاء و اولیاۓ الٰہی یاور و مددگار کم ہونے کی وجہ سے قیام نہیں کرتے تھے۔ شاید اسی وجہ سے یہ مقولہ زبان زد عام و خاص ہے کہ جیسا کہ ”الفرار مما لا یطاق من سنن المرسلین“۔ (20)جناب نوح نے آواز دی :”رب انی مغلوب فانتصر“ (21) (بار الٰہا! { میں ان لوگوں کے مقابلے میں} کمزور ہوں اب تو ہی {ان سے } بدلہ لینا)۔

یہی نہیں اگر قرآن میں ہم ژرف نگری سے کام لیں تو ایسے بہت سے موارد ملیں گے کہ جہاں انبیاء و اوصیاۓ الٰہی نے یاور و مددگار کی کمی کی وجہ سے قیام نہیں کیا اور سب سے بڑھ کر خاتم المرسلین 13/سال مکہ میں رہے مگر صرف یاور و مددگار نہ ہونے کی وجہ سے آپ نے کوئی قیام نہیں کیا اور خاموش رہے بلکہ جب معاشرے کی اذیتوں سے تنگ آگۓ تو ہجرت فرما لی۔ (۲۲)

مولاۓ کائنات نے بھی اسی سنت کو اپنا شیوہ بنایا تھا کہ قیام کرنا اسی وقت معقول اور بارآور ہوگا جب انسان اپنے ہدف اور مطمع نظر کی دستیابی میں کامیاب ہوسکے ورنہ قیام لایعنی ہوگا۔ اسی لۓ فرماتے ہیں کہ ”کامیاب وہ ہے جو اٹھے تو پرو بال کے ساتھ اٹھے اور نہیں تو (اقتدار کی کرسی) دوسروں کے لۓ چھوڑ بیٹھے“۔ (۲۳)

اسی لۓ جب مولاۓ کائنات سے اشعث بن قیس نے سوال کیا کہ آپ نے اپنا حق لینے میں تلوار کا سہارا کیوں نہیں لیا؟ تو فرمایا:" اے اشعث! دیکھو میرے سامنے چھ انبیاء کے نمونے موجود ہیں؛ جناب نوح، لوط، ابراہیم، موسیٰ، ہارون اور پیغمبر اکرم صلوات اللہ علیہم اجمعین (24) کہ جنہوں نے صرف اسی لۓ قوم کی سرکشی اور طغیانیوں کے خلاف قیام نہیں کیا تھا کہ ان کے پاس ساتھیوں اور ناصروں کی کمی تھی ورنہ ہم بندگان خدا کو موت سے کوئی
باک نہیں ہے کہ ہم موت کے خوف سے قیام سے گریز کریں بلکہ وجہ یہی تھی کہ میرے ساتھیوں کی تعداد کھانے میں نمک اور آنکھ میں سرمے کے برابر تھی۔ "(25)
اسی لۓ جب امام اتمام حجت کی غرض سے رات کی تاریکی میں انصار و مہاجرین کے گھر جاتے اور طلب کمک کرتے تو کوئ مدد کے لۓ حاضر نہیں ہوتا۔ معاویہ کے بقول ٤ یا ٥ سے زیادہ لوگ مدد کیلۓ آمادہ نہیں ہوۓ۔ (26)
اب ایسے ناسازگار حالات میں مولا قیام کرتے تو کیسے کرتے!!!
یہ سچ ہے کہ موت سے کوئی باک نہیں ہے مگر دوسری طرف ہدف اور نتیجہ بھی تو منظور نظر تھا ورنہ خود فرماتے ہیں کہ "اگر مجھے 40 باوفا ساتھی مل جاتے تو میں حصول خلافت کے لۓ تلوار اٹھا لیتا"(27) "مگر افسوس کہ آج میرے پاس جعفر و حمزہ جیسے یاور و مددگار نہیں ہیں"۔(28)
میں قیام کرتا بھی تو کیسے کرتا "میں نے نگاہ اٹھا کر دیکھا تو مجھے اپنے اہلبیت کے علاوہ کوئ اپنا معین و مددگار نظر نہ آیا" (29)
"ایسے میں کرتا تو کیا کرتا اگر قیام کرتا تو خطرہ تھا کہ مبادا اتنے کم افراد سے بھی ہاتھ دھونا پڑ جاۓ اس لۓ "میں نے انہیں موت کے منہ میں دینے سے بخل کیا"۔(30)

٣۔ پاکیزہ نسلوں کا خیال

یہ الٰہی قانون ہے کہ "لوتزیّلوا لعذّبنا الذین کفروا منھم عذاباً الیماً "(31) اگر وہ (ایماندار کفار سے) الگ ہوجاتے تو ان میں جو لوگ کافر تھے ہم انہیں دردناک عذاب کی ضرور سزا دیتے یعنی وہ مومنین جو کافر آبائو اجداد کی صلب میں قرار دۓ گۓ ہیں جب تک وہ مومنین کفار کی صلب سے نکل نہ جائں تب تک عذاب الٰہی رکا رہتا ہے
اسی لۓ امام صادق فرماتے ہیں : "مومنین کی صلب میں جو کفار قرار دۓ گۓ ہیں اور اسی طرح کفار کی صلب میں جو مومنین قرار دۓ گۓ (یہ مومنین) اگر کفار سے الگ ہوجائں تب خدا کافرین پر عذاب نازل کرتا ہے"۔ (32)
یہ خدا کی حکمت ہے کہ یہاں موقع دیا جاتا ہے اور انتظار کیا جاتا ہے کہ عذاب جب نازل ہوتو اس کی زد میں صرف کفار اور منافقین ہی آئں اسی لۓ امام صادق سے جب سوال ہوا کہ امیرالمومنین نے قیام کیوں نہیں کیا۔ تو فرمایا :"اس وقت خداوند متعال نے مومنوں کی صورت میں کچھ امانتیں کفار و منافقین کی صلبوں میں قرار دی تھیں کہ جب تک وہ امانتیں (مومنین) ان کی صلبوں سے خارج نہیں ہوجاتیں تب تک وہ بھلا کیسے تلوار اٹھاتے۔" (٣٣)
لہٰذا وہ علی جو حکمت و نظام الٰہی کا پالن ہار تھا بھلا کیسے حکمت و منشاۓ الٰہی کے برخلاف قدم اٹھاتا۔

٤۔ شیرازہ بکھرنے نہ پاۓ

"میں اپنی میراث کو لٹتے دیکھ رہا تھا یہاں تک کہ پہلے نے اپنی راہ لی اور اپنے بعد خلافت ابن خطاب کو دے

گیا... یہاں تک کہ اس قوم کا تیسرا شخص پیٹ پھلائۓ سرگین اور چارہ لے کے درمیان کھڑا ہوا اور اس کے ساتھ اس کے بھائی بندو اٹھ کھڑے ہوۓ جو اللہ کے مال کو اس طرح نگلتے تھے جس طرح اونٹ فصل ربیع کا چارہ چرتا ہے۔“ (34)

اس اعتراف کے باوجود اس عظیم انسان کے سامنے وہ کون سی شئ تھی کہ جسکی وجہ سے مصحف ناطق خاموشی سے نظارہ خلق کرتا رہا جبکہ وہ خود احکام الٰہی کی انجام دہی اور بجاآوری میں اتنا پابند تھا کہ اس کے یہاں تھوڑی سی بھی چوک ناقابل تلافی ہوا کرتی تھی کہ ”خدا کی قسم! میں مظلوم کا اس کے ظالم سے بدلہ لوں گا اور ظالم کی ناک میں نکیل ڈال کر اسے سرچشمۂ حق تک کھینچ کر لے جائونگا اگر چہ اسے یہ ناگوار کیوں نہ گزرے“۔ (35)

شریعت اسلامی اور حقوق عباد کی اتنی پابندی کرنے والا آخر خاموش کیوں تھا؟ وجہ کیا تھی؟ جی ہاں! وجہ صرف مسلمانوں کا اتحاد اور ان کی شیرازہ بندی تھی۔ مسلمانوں کی طاقت اور قدرت جو نئ نئ ساری دنیا پر عیاں ہوئی تھی وہ اسی اتحاد اور وحدت کلمہ کا نتیجہ تھی اور مسلمانوں نے بعد میں اسی وحد ت کلمہ کی بدولت حیرت انگیز کامیابیاں حاصل کی تھیں۔ (36)

یہی وہ سب سے اہم علت تھی کہ جس کی وجہ سے فاتح خیبر و خندق نے سکوت اختیار کررکھا تھا۔ چنانچہ فرماتے ہیں :”...میں نے دیکھا کہ صبر کرنا اس عظیم مصیبت پر مسلمانوں میں اختلاف ڈالنے سے بہتر ہے“۔ (37)

مولا کے عہد خلافت میں جب طلحہ و زبیر نے بیعت توڑدی اور داخلی فتنہ پردازی میں پڑگۓ تو آپ نے پیغمبر اکرم بعد اپنے موقف اور ان لوگوں کے موقف کے درمیان متعدد بار موازنہ کیا اور فرمایا:”میں نے مسلمانوں کے اتحاد کے لۓ اپنے حق سے چشم پوشی کی ہے تاکہ اتحاد باقی رہے لیکن ان لوگوں نے پہلے خوشی سے بیعت کی اور بعد میں اپنی بیعت توڑ دی اور ان لوگوں نے مسلمانوں کا شیرازہ بکھرنے کی پرواہ نہ کی۔“ (38)

علیکینگاہیں دیکھ رہی تھیں کہ اگر میں قیام کرتا ہوں تو مسلمانوں کا شیرازہ بکھر جائیگا اور ان کی وہ بندھی ہوئی مٹھی کھل جائیگی کہ جسکی وجہ سے اسلام آفاقی بنا تھا ”ورنہ اگر خدا کی قسم! مسلمانوں کے درمیان اختلاف کا خطرہ نہ ہوتا ...تو ہماری یہ حالت نہ ہوتی“۔ (39)

اسی لۓ مولا نے ہر ممکنہ کوشش کی کہ امت میں وحدت کلمہ برقرار رہے۔ امت بکھرنے نہ پاۓ، چاہے اپنے حق سے ہی کیوں نہ گزرنا پڑے۔ لہٰذا آپ نے خون کے گھونٹ پی پی کر اپنے غاصبین خلافت کی مدد کی صرف اس وجہ سے کہ مسلمانوں میں اتحاد اور ایکا برقرار رہے۔ تبھی تو فرماتے ہیں :

”اب میں ڈرا کہ اگر کوئ رخنہ یا خرابی دیکھتے ہوۓ اسلام اور اہل اسلام کی مدد نہ کروں گا تو یہ میرے لۓ اس سے بڑھکر مصیبت ہوگی جتنی یہ مصیبت کہ تمہاری یہ حکومت میرے ہاتھ سے چلی جاۓ۔“ (40)

اور یہی نہیں بلکہ ایسا صابر انسان، اتحاد مسلمین کو اتنا اہم اور ضروری سمجھتا ہے کہ وصیت کرتا ہے کہ اے لوگو! فتنہ و فساد کی موجوں کو نجات کی کشتیوں سے چیر کر اپنے کو نکال لے جائو۔ تفرقہ و انتشار کی راہوں سے اپنا رخ موڑ لو۔ (41) کیونکہ ”سلامۃ الدین احب الینا من غیرہ“(42) مجھے اسلام کی بقاء و دوام دوسری تمام چیزوں سے زیادہ عزیز ومحبوب ہے۔

٥- امت مرتد نہ ہوجاۓ

بعض آیات قرآنی اس بات کی ترجمانی کرتی ہیں کہ پیغمبر اکرم اپنی امت کے مستقبل کے بارے میں فکر مند

تھے اور آپ کو یہ بات بار بار پریشان کرتی تھی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ امت میرے بعد میرے دین سے منحرف ہوجائے کیونکہ آپ اپنی زندگی میں بارہا یہ دیکھ چکے تھے کہ امت کو جہاں موقع ملتا تھا وہ جادئہ مستقیم سے پہلو تہی کرنے لگتی تھی چنانچہ جنگ احد میں دیکھ چکے تھے کہ جب کسی نے آپکی شہادت کی خبر اڑائی تو سب ادھر ادھر بھاگنے لگے اور منافقوں کے رئس عبداللہ بن ابیّ کے ذریعہ ابوسفیان سے امان نامہ حاصل کرنا چاہتے تھے۔(43) اور خدا کے بارے میں ان لوگوں کا ایسا عقیدہ ہوگیا تھا کہ توبہ بھلی! چنانچہ ارشاد ہوتا ہے :"اور ایک گروہ جن کو اس وقت بھاگنے کی شرم سے جان کے لالے پڑے تھے خدا کے ساتھ (خواہ مخواہ) زمانۂ جاہلیت کی ایسی بدگمانیاں کرنے لگے (اور) کہنے لگے بھلا یہ امر (فتح) کچھ بھی ہمارے اختیار میں ہے"۔ (٤٤)
یہی وہ اہم مسئلہ تھا جو بار بار پیغمبر اکرم کو کھائے جارہا تھا کہ مبادا امت میرے بعد ارتداد کا شکار ہوجائے۔ اسی لئے جب مرسل اعظم کی شہادت کی خبر منتشر ہوئی تو وہ قبائل جو نئے نئے مسلمان ہوئے تھے وہ دین اسلام سے منحرف ہوگئے اور پرچم ارتداد بلند کرکے مالیات دےنے سے بھی انکار کردیا۔ (45)
ایسے نامساعد حالات میں مولا قیام کرتے تو کیسے کرتے جبکہ ان کا ہدف حصول سطوت و سلطنت نہیں بلکہ بقاء و دوام اسلام تھا لہٰذا مولا نے یہ دیکھا کہ اگر میں قیام کرتا ہوں تو لوگ مرتد ہوجائں گے کیونکہ لوگ ابھی نئے نئے مسلمان ہوئے تھے اس لئے تھوڑی سی بھی کوتاہی بساط اسلام سمیٹ دیگی۔(46)
چنانچہ صادق آل محمد سے جب کسی نے سوال کیا کہ امیرالمومنین نے کیوں قیام نہیں کیا تو فرمایا کہ :"خوف تھا کہ کہیں لوگ کفر کی طرف پلٹ نہ جائیں"۔ (47)
یا ایک اور مقام پہ فرماتے ہیں کہ "امیرالمومنین کو خوف یہ تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ قوم مرتد ہوجائے اور مرسل اعظم کی شہادت (اذان سے) مٹ جائے"۔ (48)
اسی ارتداد کا خوف مولائے کائنات کو بھی پریشان کررہا تھا جیسا کہ فرماتے ہیں کہ "اس بات کا خوف اگر نہیں ہوتا کہ لوگ کفر و بت پرستی کی طرف پھر سے پلٹ جائں گے تو ہماری یہ حالت نہ ہوتی"۔ (49) یعنی پھر ایسی صورت میں یہ معاشرہ "مدینہ فاضلہ" کا عالیترین نمونہ ہوتا۔
اسی لئے جب صدیقہ طاہرہ سلام اللہ علیہا نے مولائے کائنات سے گلہ و شکوہ کیا کہ کیوں قیام نہیں کرتے؟ (اتنے میں مؤذن کی صدا بلند ہوگئ "اشہد ان محمداً رسول اللہ ") مولا نے پوچھا کہ اے بنت رسول ! کیا آپ کو یہ گوارا ہے کہ آپ کے بابا کا نام دنیا سے مٹ جائے ۔ انہوں نے جواب دیا:" نہیں !" تو مولا نے کہاکہ اسی لئے قیام نہیں کررہا ہوں۔ (50)
یہ وہ اہم مسئلہ تھا جو قیام امیرالمومنین میں سد راہ بن جاتا تھا اور آپ کے سامنے وہ بھیانک منظر آجاتا تھا کہ اگر میں نے قیام کردیا تو کہیں ایسا نہ ہو کہ اسلام پھر سے وہیں جاپہنچے جہاں سے مرسل اعظم نے شروع کیا تھا۔ چنانچہ فرماتے ہیں :"مگر ایک دم میرے سامنے یہ منظر آیا کہ لوگ فلاں شخص کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لئے دوڑے۔ ان حالات میں میں نے اپنا ہاتھ روکے رکھا یہاں تک کہ میں نے دیکھا کہ مرتد ہونے والے اسلام سے مرتد ہو کر حضرت محمد کے دین کو مٹا ڈالنے کی دعوت دے رہے ہیں ۔" (51)

٦- دشمنان خارجی کا خطرہ

ظاہر سی بات ہے کہ جب مولائے کائنات قیام کرتے تو مسلمانوں کی تعداد کم ہوتی۔ اب چاہے اس قیام میں مولا کے چاہنے والے شہید ہوتے یا ان کے مخالفین قتل ہوتے لیکن اس طرح مسلمانوں کی باہمی طاقت و قدرت کمزور ہوتی۔

دوسری طرف ہمیشہ دشمنان خارجی (بالخصوص ایران و روم) کے حملے کا خطرہ رہتا تھا اور اگر آپسی اختلاف اور مڈبھیڑ ہوتی تو ظاہر سی بات ہے کہ پھر دشمنان خارجی سے مقابلے میں کھڑے ہونے کی قدرت اور طاقت نہ رہتی۔ جبکہ مرکز اسلام کو ہمیشہ ایران اور روم کی جانب سے خطرہ رہا کرتا تھا بالخصوص اس صورت میں جبکہ اس وقت تک رومیوں سے ۳/بار مسلمانوں کا مقابلہ ہوچکا تھا۔ یہ ایک ایسا عظیم خطرہ تھا کہ جس سے پیغمبر اکرم آخر وقت تک فکرمند تھے۔ اسی لۓ آپ نے سپاہ ”اسامہ بن زید“ کو اس احتمالی خطرے کی روک تھام کے لۓ روانہ کیا تھا۔(52)

ایسی صورتحال میں اگر امیرالمومنین قیام کرتے تو کسی بھی صورت میں یہ قیام مطلوب نہیں ہوتا کیونکہ ظاہر سی بات ہے کہ جب مرکز اسلام کا داخلی محاذ کمزور ہوتا تو کسی بھی صورت میں خارجی محاذ کے دفاع کے لۓ ان کے پاس قدرت نہ ہوتی۔ شاید یہ بھی ایک اور اہم وجہ رہی ہو کہ جس کی وجہ سے مولاۓ کائنات نے قیام نہ کیا ہو۔ چنانچہ جن جنگوں کا خطرہ تھا وہ ہوکر رہیں کہ جس کے متعلق خلیفۂ دوم نے مولاۓ کائنات سے مشورے بھی لۓ جو اب بھی نہج البلاغہ میں خطبوں کی صورت میں موجود ہیں کہ جنکی تفصیل کے لۓ خطبات نمبر 132/ اور 144/ ملاحظہ کۓ جاسکتے ہیں۔

نتیجہ

”اگر بولتا ہوں تو لوگ کہتے ہیں کہ دنیوی سلطنت پر مرمٹے ہیں اور چپ رہتا ہوں تو کہتے ہیں کہ موت سے ڈر گۓ ہیں“۔(53) عجیب کشمکش ہے۔ ایک طرف امت کا خیال تو دوسری طرف اپنے حق اور الٰہی منصب کا۔ کریں تو کیا کریں۔ کیا واقعاً علی موت سے گھبراگۓ تھے؟ نہیں۔ ہرگز نہیں!

بازوئوں میں قوت و طاقت بھی تھی اور دل میں جوش و ولولہ بھی تھا مگر حضرت کی دوراندیش نگاہیں دیکھ رہی تھیں کہ چاروں طرف زہریلی فضا محیط ہے، فتنۂ ارتداد سر اٹھا رہا ہے، نفاق سرگرم عمل ہے، شکست خوردہ یہود اور باجگزار نصاریٰ اس تاک میں لگے ہیںکہ مسلمانومیں پھوٹ پڑے اور اپنی شکست و ہزیمت کا بدلہ لیں۔(54)

شاید انہی اندیشوں کی طرف مولا اشارہ کرنا چاہتے تھے کہ ”ایک علم پوشیدہ میرے سینے کی تہوں میں لپٹا ہوا ہے کہ اسے ظاہر کردوں تو تم اسی طرح پیچ و تاب کھانے لگو گے جس طرح گہرے کنووں میں رسیاں لرزتی اور تھرتھراتی ہیں“۔ (55)

ایسی صورت میں جبکہ ان کا حق غصب کیا جارہا تھا اور دوسری طرف قیام کی صورت میں اسلام کو مختلف مشکلات سے دوچار ہونا پڑتا۔ مولا کرتے تو کیا کرتے ”سوچنا شروع کیا کہ اپنے کٹے ہوۓ ہاتھوں سے حملہ کروں یا اس سے بھیانک تیرگی پر صبر کروں“(56) کیونکہ اگر ایک طرف حق خلافت ہے تو دوسری طرف اسلام بھی تو ملحوظ خاطر ہے لہٰذا ”مجھے اس اندھیرے پر صبر ہی قرین عقل نظر آتا۔ لہٰذا میں نے صبر کیا۔ حالانکہ آنکھوں میں(غبار اندوہ کی) خلش تھی اور حلق میں (غم و رنج کے) پھندے لگے ہوۓ تھے“۔ (57)

صبر ہی قرین عقل اس لۓ تھا کہ کیونکہ آپ کا ہدف صرف اور صرف اسلام کی بقاء اور مسلمانوں کا اتحاد تھا کیونکہ خود ہی فرماتے ہیں :”جب تک مسلمانوں کے امور کا نظم و نسق برقرار ہے اور صرف میری ہی ذات ظلم و جور کا نشانہ بنتی رہیگی میں خاموشی اختیار کرتا رہوں گا“۔ (58)

لہٰذا اسلام اور مسلمانوں کی خاطر ”میں نے چشم پوشی کی جبکہ حلق میں پھندے تھے۔ مگر میں نے غم و غصے کے گھونٹ پی لۓ اور گلو گرفتگی کے باوجود حنظل سے زیادہ تلخ حالات پر صبر کیا“۔(59)

حوالہ جات:
١۔ اعراف ١٥٠
٢۔ منہاج البراعہ ٩١٥٢، نہج الصباغہ ٤٣٦٧، شبہائے پیشاور ٨٣٧
٣۔ نہج البلاغہ، خطبہ ١٧٢
٤۔ایضاً ٥
٥۔ایضاًمکتوب ٤٥
٦۔ایضاً خطبہ ٢٤
٧۔شرح نہج البلاغہ، ابن ابي الحديد ١١٦
٨۔ فروغ ولايت ١٦١
٩۔نہج البلاغہ، خطبہ ٢
١٠۔ ایضاً ٣
١١۔ایضاً١٣٧
١٢۔ ایضاً ٣
١٣۔ایضاً ٧٥
١٤۔سورئہ بقرہ ١٧١
١٥۔در مکتب اميرالمومنينؑ ١١٠
١٦۔ بحارالانوار ٢٩٤١٩، نہج الصباغہ ٥٢٦١
١٧۔ مفتاح السعادة ٣١٩، منہاج البراعہ ٣١٠٥، بحارالانوار ٢٩٤٢١
١٨۔ نہج البلاغہ، خطبہ ٣٧
١٩۔ مفتاح السعادة، ٥٢٠٠
٢٠۔شبہائے پیشاور ٨٣٥
٢١۔ سورئہ قمر ١٠
٢٢۔منہاج البراعہ ٤١٥٧
٢٣۔نہج البلاغہ، خطبہ ٢٦
٢٤۔منہاج البراعہ ٤١٥٣، بحارالانوار ٢٩٤١٨
٢٥۔علي و زمامداران ١٥٧ بحوالہ احتجاج طبرسي ١١٨٧
٢٦۔ ایضاً
٢٧۔ منہاج البراعہ ٢٤٢٠، شرح نہج البلاغہ ابن ابي الحديد ٢٢٢
٢٨۔ ایضا ٩١٥٢ و ١٤١٧٥، شرح نہج البلاغہ ابن ابي الحديد ١١١١
٢٩۔ نہج البلاغہ، خطبہ ٢٦
٣٠۔ایضاً
٣١۔سورئہ فتح ٢٥
٣٢۔شرح نہج البلاغہ مدرس وحيد ٩١٣٣، بحارالانوار٢٩٤٣٧

٣٣۔ بحارالانوار ٢٩٤٢٨، منہاج البراعہ ٤١٥٦
٣٤۔نہج البلاغہ، خطبہ٣
٣٥۔ایضاً١٣٤
٣٦۔مطالعہ نہج البلاغہ ٢٠٦
٣٧۔ مصباح البلاغہ ١٢٦٨، نہج الصباغہ ٥٥٣، شرح نہج البلاغہ ابن ابي الحدید ١٣٠٨
38۔ مطالعہ نہج البلاغہ 207
39۔ مصباح البلاغہ 2/641، نہج السعادۃ 1/271، شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید 1/307
40۔ نہج البلاغہ، مکتوب 62
41۔ ایضاً خطبہ 5
42۔فی رحاب نہج البلاغہ 122، شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید 6/21
43۔پژوہشی عمیق پیرامون زندگی امام علی علیہ السلام 212
44۔ سورہ آل عمران 154
45۔فروغ ولایت 166
46۔شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید 1/308، نہج الصباغہ5/53
47۔ بحارالانوار 29/445، نہج الصباغہ 4/416
48۔ایضاً 29/445
49۔ نہج الصباغہ 3/91، منہاج البراعہ /314
50۔ ایضاً 4/475، شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید 11/113
51۔ نہج البلاغہ، مکتوب 62
52۔ سیرہ پیشوایان 74
53۔ نہج البلاغہ،خطبہ 5
54۔ سیرت امیرالمومنین 1/358
55۔نہج البلاغہ، خطبہ 5
56۔ ایضاً 3
57۔ ایضاً
58۔ ایضاً 72
59۔ایضاً ، ایضاً 26۔ او راسی سے ملتا جلتا خطبہ 215